October 2022

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مکاتب ومدارس کی اہمیت

’’ایک ایسے ملک میں جو اپنے رقبہ کے بجائے ایک ملک کے برکو چک اور اپنی آبادی کے لحاظ سے دنیا کے آباد ترین ملکوں میں ہے، کسی حکومت کو اپنے انتظامات پر انحصار اور اصرار نہیں کرنا چاہیے، یہاں انگریزوں کے عہد سے پہلے نجی مکاتب اور مدارس کا ایک جال بچھا ہوا تھا، ان سے علم کی اشاعت اور ملک کو شائستہ وتعلیم یافتہ بنانے میں جو مدد ملی، اس کا انگریز مؤرخین نے بھی اعتراف کیا ہے، انگریزوں نے بھی اپنے دور حکومت میں ان مکاتب ومدارس کو برقرار رکھا اور بعض اوقات ان کی ہمت افزائی کی، ہم کو حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ پھر ان مکاتب ومدارس کی ہمت افزائی کرے، حکومت اگر اس بات کے لیے فکرمند اور حریص ہے کہ ملک کی آبادی کا زیادہ سے زیادہ حصہ خواندہ وتعلیم یافتہ بن جائے تو اس کو مکاتب کو تسلیم کرنے میں عذر نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مركز الإمام أبي الحسن الندوي
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

دینی مدارس کا وجود ملت کی ایک ناگزیر ضرورت

شیخ الاسلام جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

’’آج کی فضا میں طرح طرح کے نعرے، طرح طرح کے پروپیگنڈے، طرح طرح کے اعتراضات ان دینی مدارس پر کیے جارہے ہیں، اعتراضات اور طعنوں کا ایک سیلاب ہے جو ان مدارس کی طرف بہایا جارہا ہے۔

خوب سمجھ لیں! یہ اسلام دشمنی ہے، اس لیے کہ اسلام کے دشمن اس حقیقت سے واقف ہیں کہ اس روئے زمین کے اوپر جو طبقہ الحمدللہ اسلام کے لیے ڈھال بنا ہوا ہے، وہ یہی بوریہ نشینوں کی جماعت ہے، انہی بوریہ پر بیٹھنے والوں نے الحمدللہ اسلام کے لیے ڈھال کا کام کیا ہے، یہ لوگ جانتے ہیں کہ جب تک مولوی اس روئے زمین پر موجود ہے انشاءاللہ ثم انشاءاللہ اس زمین سے اسلام کا نشان نہیں مٹایا جاسکتا اور یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ جس جگہ پر بوریہ نشین مولوی ختم ہوگئے وہاں اسلام کا کس کس طرح حلیہ بگاڑا گیا اور اسلام کو مٹانے کی سازشیں کس طرح کامیاب ہوئیں۔

آج امریکہ، کینیڈا اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھی اسلامی تعلیم ہورہی ہے، اسلام پڑھایا جارہا ہے، وہاں پر بھی حدیث وفقہ اور تفسیر کی تعلیم کا انتظام ہے۔ بظاہر بڑی تحقیق کے ساتھ کام ہورہا ہے۔ لیکن وہ دین کی کیا تعلیم ہوئی جو انسان کو ایمان کی دولت بھی عطا نہ کرسکے، صبح سے شام تک اسلامی علوم کے سمندر میں غوطے لگانے کے باوجود ناکام ہی لوٹتے ہیں اور اس کے قطرہ سے حلق بھی تر نہیں کرتے، مغرب کی ان تعلیم گاہوں میں ’’کلیۃ الشریعہ‘‘ بھی ہے اور ’’کلیۃ أصول الدین‘‘ بھی، لیکن اس کا کوئی اثر زندگی میں نظر نہیں آتا، ان علوم کی روح فنا کردی گئی ہے۔

بغداد وہ شہر ہے جہاں صدیوں تک عالم اسلام کا پایہ تخت رہا ہے، جب میں وہاں پہنچا تو کسی نے بتایا کہ یہاں ایسے کسی مدرسہ کا نام ونشان نہیں ہے جہاں علم دین کی تعلیم دی جاتی ہو، اب دین کی تعلیم کے لیے یونیورسٹیوں کی (faculties) ہیں، ان کے اساتذہ کو دیکھ کر یہ پتہ چلانا مشکل ہوتا ہے کہ عالم تو کجا یہ مسلمان بھی ہیں یا نہیں؟ وہاں شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزار مبارک کے قریب ایک مسجد میں مکتب قائم ہے، جس میں ایک قدیم استاد تھے، جنہوں نے قدیم طریقہ سے پڑھا تھا، میں انہیں تلاش کرتا ہوا ان کی خدمت میں پہنچ گیا، دیکھ کر معلوم ہوا کہ واقعۃً پرانے طرز کے بزرگ ہیں، انہوں نے فرمایا: میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں، میرا یہ پیغام آپ اپنے ملک کے اہل علم وعوام تک پہنچادیجیے:

’’اللہ کے لیے ہر چیز کو برداشت کرلینا، مگر مدرسوں کے ختم کرنے کو ہرگز برداشت نہ کرنا، دشمنان اسلام اس راز سے واقف ہیں کہ جب تک یہ سیدھا سادہ بوریہ پر بیٹھنے والا مولوی اس معاشرہ میں موجود ہے، مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کو کھرچا نہیں جاسکتا۔‘‘

(اصلاحی خطبات: ۷/۹۰-۹۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۴ | اکتوبر ۲۰۲۲ء - ربیع الاول ۱۴۴۴ھ | شمارہ: ۱۰

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دارعرفات)

اہل علم کی فضیلت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”أَلاَ إِنَّ الدُّنيَا مَلْعُوْنَةٌ، مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا إِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِماً أَوْ مُتَعَلِّماً.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(بے شک دنیا قابل لعنت ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی مستحق لعنت ہے۔ سوائے اللہ کی یاد کے اور اس چیز کے جس کو اللہ پسند کرتا ہو۔ یا عالم اور متعلم کے۔ یعنی علم سے اشتغال رکھنے والوں کے۔)

(سنن الترمذی: ۲۴۹۲)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

مدارس اسلامیہ کی اہمیت!(اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

آزاد دینی مدارس-اسلامی شریعت وتہذیب کے قلعے.....۴

.....حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مدارس اسلامیہ اور جدید کاری کا تصور.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

مدارس کا تحفظ واستحکام ہندوستانی مسلمانوں کا فریضہ.....۸

.....مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

کامیاب زندگی کی ضمانت.....۱۰

.....مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

تقویٰ کی حقیقت.....۱۱

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

نکاح کے چند مسائل (۵).....۱۳

.....مفتی راشد حسین ندوی

مدارس-تعلیم وتربیت کا بہترین ذریعہ.....۱۵

.....محمد امین حسنی ندوی

مولانا علی میاں ندویؒ اور مکاتب کا قیام.....۱۷

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

میڈیا اور دینی مدارس.....۱۹

.....محمد نفیس خاں ندوی

حواس وہوش گم ہیں بحر عرفان الٰہی میں

نتیجۂ فکر:-اکبرالہ آبادی

طریق عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
گئے فرہاد ومجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آگیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا

حریفوں پر خزانے ہیں کھلے یاں ہجر گیسو ہے
وہاں پہ بل ہے اور یاں سانپ کا بھی بل نہیں ملتا

یہ حسن وعشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
مزاج ان کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا

چھپا ہے سینہ ورخ دل ستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا

حواس وہوش گم ہیں بحر عرفان الٰہی میں
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتاب دل مجھے کافی ہے اکبر درس حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مدارس اسلامیہ کی اہمیت

آزاد ہندوستان کا خواب سب سے پہلے مسلمان علماء نے دیکھا، انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ (م ۱۸۲۴ء) نے دیا اور اس کی عملی کوششوں کا آغاز حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۸۳۱ء) نے کیا، انہوں نے مہاراجہ گوالیار کو خط لکھا اور ان کو آزادی کی لڑائی کے لیے آمادہ کیا، شاملی کے میدان میں علماء ہی نے انگریزوں سے لڑائی لڑی اور قربانیاں دیں، ریشمی رومال کی تحریک شیخ الہند کی قیادت میں چلی، گاندھی جی کو اس میدان میں آنے کی دعوت مولانا محمد علی جوہر نے دی اور پھر آزادی کی لڑائی میں علماء شانہ بشانہ لڑتے رہے، اسی لیے آزاد ہندوستان میں مولانا ابوالکلام آزاد کو پہلا وزیر تعلیم مقرر کیا گیا، یہ سارے حقائق ایک طرف! اس ملک کے لیے مدارس اسلامیہ کی افادیت ان حقائق سے کھل کر سامنے آتی ہے، لیکن مدارس کی بنیادی طور پر جو قیمت ہے وہ مدارس کا وہ نظام تعلیم ہے جو انسانوں کو انسان بناتا ہے، بقول حضرت مولانا علی میاںؒ کے:

''مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عالم اسلام کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے، جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں سے قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں۔'' (پا جا سراغ زندگی: ۹۰)

اس وقت اگر اخلاق وانسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتی کو کہیں سے پانی مل رہا ہے تو وہ یہ مدارس اسلامیہ ہیں، ورنہ عام دانش گاہوں کو جس طرح ایک بزنس بنالیا گیا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے، عام طور پر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جس طرح بداخلاقیوں کی گرم بازاری ہے، وہ خود وہاں پڑھانے والوں اور انتظام کرنے والوں کے لیے کسی سوہان روح سے کم نہیں، کہیں کہیں ان مدارس پر بھی اب عصری دانش گاہوں کی چھاپ پڑتی نظر آنے لگی ہے، لیکن اب بھی یہ مدارس اپنی بنیادوں کے ساتھ جاری ہیں اور آج بھی وہاں اخلاق ومحبت، شرافت وانسانیت کی جو تعلیم دی جاتی ہے اور طلبہ کی جس طرز پر تربیت کرنے کی کوشش ہوتی ہے، وہ اس ملک کی بھی ضرورت ہے اور دنیائے انسانیت کی ضرورت ہے، اگر یہ مدارس نہ رہ جائیں تو انسانیت کی کھیتی خشک ہونے لگے اور خود غرضی کی جو آگ لگی ہوئی ہے وہ سب کو جلا کر خاکستر کردے۔

ضرورت ہے ان مدارس اسلامیہ کے تحفظ کی، ان کے اندر صحیح روح پیدا کرنے کی اور باہر کی آلائشوں سے ان کی فضا کو پاک رکھنے کی، تاکہ یہاں سے جو پیغام محبت دنیا کو دیا جاتا رہا ہے وہ جاری ہے اور لوگوں کو صحیح راستہ ملتا رہے۔ اخوت ومحبت، ہمدردی وغم خواری کا سبق ان مدارس میں دیا جاتا رہے اور انسانوں کو انسانیت کی وہ سوغات ملتی رہے جو شاید اور کہیں نہ مل سکے اور ہر طرح کے مادی فوائد سے بلند تر ہو کر سوچنے کا جو جذبہ یہاں پیدا کیا جاتا ہے، وہ پیدا کیا جاتا رہے اور ذہن وفکر اور قلب ودماغ کو وہ صحیح غذا ملتی رہے جو ان مدارس اسلامیہ کا امتیاز رہا ہے۔

آزاد دینی مدارس- اسلامی شریعت وتہذیب کے قلعے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مسلمانوں کے بعض حلقوں میں سنجیدگی کے ساتھ یہ سوال پیدا ہوگیا ہے کہ عربی مدارس کی اس انقلابی زمانہ میں کیا ضرورت ہے اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی کا کون سا خانہ خالی رہتا ہے؟

اس سلسلہ میں چند بنیادی حقائق کا سمجھ لینا ضروری ہے جو اس مسئلہ میں مبادی کا کام دیں گے:

پہلی چیز یہ کہ مسلمان قوم کا مزاج اور قوام دنیا کی تمام قوموں سے مختلف ہے، مذہب' امت مسلمہ کے خمیر اور ترکیب میں داخل ہے، یہ قوم کسی جگہ اور کسی وقت بھی غیر مذہبی نہیں ہوسکتی، بلکہ مذہب اور ایک متعین مذہب اسلام کے بغیر اس کا تصور ممکن نہیں، مذہب اس کے فکر وعمل کا مرکز' اس کے کاموں کی صحت وغلطی' اس کی ترقی و تنزل کی میزان' اس کی صحتِ طبعی اور انحرافِ مزاج کا مقیاس ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس امت کی بنیاد ایک خاص قانون ''شریعت'' اور ایک خاص دستور ''قرآن وحدیث'' پر ہے، یہ قانون مکمل اور یہ دستور منضبط ہے، اس امت کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کی زندگی اور فکر کا سرچشمہ تغیر پذیر انسانی اجتہادات وتجربات اور غیر قطعی نظریات کے بجائے ''وحی الٰہی'' ہے، دنیا کی دوسری تہذیبوں کے برخلاف اس کی تہذیب و تمدن کی بنیاد دیواروں اور ستونوں' میناروں اور گنبدوں' کاغذ کے شیرازوں' تصویروں کے نقوش اور موسیقی کے آلات پر نہیں ہے، بلکہ چند ابدی حقائق' چند اصول ونظریات اور اس مخصوص اخلاقی فلسفہ پر ہے جو وحی سے ماخوذ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے، دنیا کی دوسری خودرَو اور خودساختہ قوموں کے برخلاف اس کے مستقبل کی بنیاد اس کے ماضی پر ہے، اس کے سامنے زندگی کا ایک بلندترین معیار اور ترقی کا آخری نمونہ ہے اور یہ نمونہ گذر چکا ہے، لیکن تاریخی وتحریری طور پر محفوظ ہے، یہ سنت رسول ﷺ، اسوۂ صحابہ اور خلافت راشدہ کا عہد ہے، سنت اور سلف کی جو اہمیت اسلامی تعلیمات میں ہے، غالباً کسی دوسرے مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔

یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ دین کا مفہوم جتنا اسلام میں وسیع و ہمہ گیر ہے، کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے، بلکہ اگر دیکھا جائے تو اسلام کے صحیح نقطۂ نظر اور تعلیمات نبوی کے مطابق سچے مسلمان کی پوری زندگی دین ہے اور نیت کے تغیر سے اس کا ہر کام عبادت ہے، اس لیے اس میں دین و دنیا کی وہ تقسیم نہیں ہے جو مسیحی مذہب میں ہے، نہ دین و دنیا کے شعبے اور ان کے اشخاص اس طرح علاحدہ علاحدہ اور ان کے حدود ایک دوسرے سے اس طرح ممتاز ہیں جس طرح عیسائیوں میں، مذہب مسلمان کی زندگی میں جلد مؤثر ہوتا ہے اور جلد متاثر، اگر اس کی زندگی کے مسائل نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ دین کی روشنی میں اور اس کی مصالحت اور سمجھوتہ سے طے نہ کیے جائیں تو بہت آسانی سے وہ دین سے ٹکرا جاتے ہیں اور مسلمان کی زندگی اور اس کے مذہب پر ان کا اثر پڑتا ہے، مثال کے طور پر صلح و جنگ کے قوانین، تعزیرات، لین دین کے معاملات اور اجتماعی و معاشرتی' سیاسی اور معاشی مسائل ہیں جن کا مذہب سے گہرا تعلق اور اسلامی قانون سے ارتباط ہے، ان مسائل کو طے کرنے کے لیے کتنی دینی بصیرت اور کس قدر علم کی ضرورت ہے۔

جس قوم کا مزاج اتنا نازک اور پیچیدہ ہو اور جس کے مذہب و قانون کا دائرہ اتنا وسیع ہو، اس کے علاج وطبی مشورہ کے لیے کیسے مزاج داں ونباض اور کیسے حاذق کی ضرورت ہے!

جو طبقہ یا جماعت مسلمانوں کی رہنمائی کے منصب کی امیدوار ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے قانون اور دستور سے

واقف ہو، اس سرچشمہ سے سیراب ہو جس سے اس کی زندگی کی نہریں پھوٹی ہیں اور اس کی رگوں میں اس کا آبِ حیات جاری ہے، ان ابدی حقائق کا علم اور ان اصول ونظریات پر یقین رکھتا ہو، اس اخلاقی فلسفہ کا قائل اور حامل ہو جس پر اس کے تمدن وتہذیب کی بنیاد ہے، اس کے ماضی سے باخبر اور اس بلند معیار اور نمونہ سے متاثر ہو جس پر امت کے حال ومستقبل کی تعمیر ہونی چاہیے۔

اسلام کے نظام شرعی کی حفاظت اور اس کے لیے ایثار وقربانی صرف وہی طبقہ کرسکتا ہے جس کی ذہنی اور عملی تربیت اس کے موافق ہوئی ہو، جس کے رگ وریشہ میں اس نظام کی محبت اور اس کا عشق و احترام پیوست ہوگیا ہو اور جس کے قلب ودماغ کی گہرائیوں میں اس کا یقین اتر گیا ہو، اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جب اس نظام پر کوئی ضرب لگائی گئی یا اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو ہمیشہ یہی طبقہ بے چین ہوا اور سر سے کفن باندھ کر میدان میں اتر آیا۔

جب عباسی سلطنت کی طرف سے امت پر جبریہ خلق قرآن کا عقیدہ مسلط کیا جانے لگا تو اس خطرناک تحریف والحاد اور اس غیر اسلامی عقیدہ کے خلاف وقت کی سب سے بڑی شہنشاہی کے مقابلہ میں حفاظت دین کے لیے جو شخص تن تنہا میدان میں آیا، وہ جماعت علماء کا ممتاز فرد امام احمد بن حنبلؒ تھا، جس کے عزم واستقامت اور ایمان کے سامنے حکومتِ وقت کو جھکنا پڑا اور یہ عقیدہ تاریخی یادگار بن کر رہ گیا، آج کتنے مسلمان ہیں جو اس کا مطلب بھی سمجھتے ہیں؟

بعد کے زمانہ میں دو جلیل القدر عالم حضرت شیخ عبدالقادرؒ جیلانی اور امام ابن جوزیؒ نے اسلامی نظام اخلاق کی حفاظت اور مسلمانوں کی روحانی ودینی اصلاح کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دیں، ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ان کے بعد امام ابن تیمیہؒ نے جو علمی وعملی خدمات انجام دیں، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

اگر دین اور اس کے شرعی نظام کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو محض ایک قوم بن کر نہیں بلکہ ایک صاحب شریعت وکتاب قوم بن کر رہنا ہے تو مذہب کے محافظین وحاملین اور شریعت کے ترجمان و شارحین کی ضرورت ہے اور اگر ان کی ضرورت ہے تو لامحالہ ان مرکزوں اور اداروں کی ضرورت ہے جو ایسے اشخاص پیدا کرسکتے ہیں اور یہ ضرورت مسلمانوں کی ہر قومی ضرورت سے اہم ہے۔

خلافتِ راشدہ کے طرز کی اسلامی سلطنت میں بھی دینی مدارس اور تربیت گاہوں کی ضرورت ہے، تاکہ امت کے اسلامی جسم میں ہر دم تازہ خون پہنچتا رہے، اہل نظر جانتے ہیں کہ جس نظام کی پشت پر ایسا ادارہ یا تربیت گاہ نہ ہو جو اس قسم کے اشخاص پیدا کرتا رہے جو اس نظام کو چلاسکیں، اگلوں کی جگہ لے سکیں اور اس مشین میں فٹ ہوسکیں، اس نظام کی جڑیں ہمیشہ کھوکھلی اور اس کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

اگر برائے نام اسلامی سلطنت بھی ہے تو بھی ایسے اداروں کی ضرورت ہے تاکہ حکومت کو اپنے ذمہ دارانہ عہدوں کے لیے دیندار امین اور مسلمانوں کی ضرورت سمجھنے والے کارکن مل سکیں۔

لیکن اگر کسی اسلامی ملک میں بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو وہاں ایسے اداروں کی ضرورت شدید تر ہوجاتی ہے، اگر کوئی جماعت کسی صحیح اسلامی حکومت کی کچھ نہ کچھ قائم مقامی کرسکتی ہے اور حفاظت دین کا فرض انجام دے سکتی ہے تو وہ صرف جماعت علماء ہے، چنانچہ اسی نکتہ کی وجہ سے اسلامی سلطنت کے زوال کے وقت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان نے اسلامی تعلیم اور دینی درس وتدریس کا نظام قائم کیا، جس نے بڑی حد تک ایک اچھی اسلامی ریاست کی دینی ضرورتیں پوری کیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ عملی حیثیت سے اسلام ہندوستان میں ان ممالک سے بہتر حالت میں ہے جہاں برائے نام اسلامی سلطنت موجود ہے۔

جب ہندوستان میں حکومت مغلیہ کا چراغ گل ہوگیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحبِ فراست علماء نے جابجا اسلام کی شریعت وتہذیب کے قلعے تعمیر کردیے، انہی قلعوں کا نام ''عربی مدارس'' ہے اور آج اسلامی شریعت وتہذیب انہی قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی ساری قوت واستحکام انہی قلعوں پر موقوف ہے۔

مدارس اسلامیہ اور جدید کاری کا تصور

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اس وقت اسلام مخالف طاقتوں نے اسلام کو کمزور اور بے اثر بنانے کے لیے اسلام کی تقویت کے دو پہلوؤں کو اپنی نقصان رساں کوششوں کا زیادہ نشانہ بنایا ہے۔

ایک اسلامی شریعت کے وہ ضوابط جو اسلامی معاشرت کو صالح اور پاک باز رکھنے سے متعلق ہیں، جن میں مرد وعورت دونوں کے معاملات آتے ہیں اور انسانی معاشرت میں درستگی قائم رکھنے کے لیے اللہ کی طرف سے جو ضوابط مقرر کیے گئے ہیں اور جو اجتماعی معاملات وتعلقات نیز مالی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں اور فقہی قوانین کے تحت آتے ہیں، ان پر اعتراضات کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

دوسرا پہلو کلام الٰہی قرآن مجید سے مسلمانوں کا جو تعلق ہے، جس کے ذریعہ مسلمان کے دل کو روحانیت اور اپنے پروردگار کے ساتھ بندگی کے تعلق کو مدد ملتی ہے، بلکہ وہ ایک ایسا منبع ومرکز ہے کہ اس سے مسلمان جتنا بندھا رہتا ہے، اتنا ہی اس میں جذبہ دینی اور اخلاقی درستگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس پر حملے کیے جارہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ علوم دینیہ کی خدمت کرنے والے لوگ ان دونوں پہلوؤں کے سلسلہ میں ضروری صلاحیت پیدا کریں اور اس طرف سے آنے والے خطرات کے مقابلہ کے لیے اپنے طالبان علم کو تیار کریں۔

مغرب کا استعماری ذہن اسلام کو اپنا اصل حریف سمجھتا تھا اور اب بھی یہی سمجھ رہا ہے، بلکہ مغربی ملکوں کے اصحاب اقتدار نے یہ تک اظہار کردیا ہے کہ کمیونسٹ روس کے بعد ہمارا اصل حریف اسلام ہے، لہٰذا ان کو برابر یہ فکر دامن گیر ہے کہ اسلام کی مذہبی خصوصیت کی حفاظت کے لیے مذہبی ادارے جو مسلمانوں میں اسلامی خصوصیات کے تحفظ کا کام کررہے ہیں کسی طرح ختم کردیئے جائیں، خواہ طاقت اور سیاسی ڈپلومیسی کے ذریعہ یا کچھ فرضی الزامات لگا کر ان کی حیثیت کو بے وقعت بلکہ خطرناک قرار دے کر، اس کے لیے مختلف اصطلاحات استعمال کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا اور تقریباً ہر ملک میں یہ کوشش کی جارہی ہے کہ دینی تحفظ کے یہ ادارے ختم ہوجائیں اور دنیا میں من مانی زندگی کی فضا عام ہوجائے اور عملاً دنیا میں یہ دیکھا بھی گیا کہ جن ملکوں میں دینی ادارے ختم کردیئے گئے وہاں اسلامیت بھی ختم ہوگئی۔

ترکستان میں میں نے خود دیکھا، جہاں کے سابقہ عہد کے علماء کی تعداد اور کام ایسا زبردست رہ چکا ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں ان کی تصنیف کردہ کتابیں اس وقت بھی پڑھائی جارہی ہیں اور ان سے اسلامی تعلیمات اور احکام کے تحفظ کا کام لیا جارہا ہے، روسی عہد میں مسلمانوں کے دینی مدرسوں کے ختم کردینے کے بعد صرف دو نسلیں گذرنے پر یہ حال ہوگیا تھا کہ بہت سے لوگ نماز روزہ تک کا مطلب سمجھنے سے محروم ہوگئے تھے، حتی کہ اسلام میں عبادت کے لفظ کا جو مطلب ہے اس تک سے ناواقف ہوگئے تھے، اسلامی عقیدہ سے اور اس کے احکام سے واقف ہونا تو بہت دور کی بات ہے، وہ معمولی دینی باتوں سے بھی واقفیت نہ رکھ سکے تھے، سوائے ان بعض محدود علاقوں کے جہاں خفیہ دینی تعلیم دی جاتی رہی، ان کے علاوہ بقیہ عام علاقوں میں دین سے بالکل ناواقفیت ہوگئی تھی، اگرچہ وہ اس کے باوجود اپنے کو مسلمان کہتے اور لکھتے رہے، اسلام سے ان کا رشتہ صرف یہی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے کو مسلمان اور مسلمان نسل کا جانتے تھے، ان کے یہاں اسلام کی باتیں بتانے والے نہیں رہے تھے، اب وہاں آزادی ملنے پر فرق شروع ہوا ہے۔

آدمی کی فطرت ہے کہ جو سنتا ہے اور دیکھتا ہے، اس کو اختیار کرتا ہے اور جس بات سے ناواقف ہے اس سے وہ محروم رہتا ہے،

ضرورت ہے کہ ان مدارس کی اہمیت کو سمجھا جائے اور ان کو بڑھایا جائے اور پھیلایا جائے، کم از کم اس کے ابتدائی مرحلہ کو جتنا عام کیا جاسکے عام کیا جائے اور جہاں جہاں دین سے ناواقفیت کے حالات ہیں وہاں کی فکر اور زیادہ کی جائے، نہ کہ ان کو بے ضرورت بتا کر ان کے معاملہ میں مخالفانہ روش اختیار کی جائے۔ ہماری مذہبی علوم کی یہ درس گاہیں ہماری ملت کے فرزندوں کو اسلام کی ان تعلیمات سے بہرہ ور کرتی ہیں جن سے اس امت مسلمہ کی مسلمہ ہونے کی صفت برقرار رہے، اس لیے کہ اسلامی تعلیمات کے لحاظ سے اس دنیا کے ساتھ توحید ورسالت اور آخرت کا عقیدہ قطعی اور لازمی ہے، اس پر یقین اور اس کے مطابق عمل کے بغیر دین اسلام کی بقا نہیں۔

جدید تعلیم کے لادینی سانچہ سے گذرے ہوئے بعض دانش ور حضرات ہمارے ان دینی مدارس کو ملت کے لیے غیر ضروری سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک دینی تعلیم کی ایسی اہمیت نہیں کہ اس کے لیے علاحدہ سے توجہ کی جائے، کیوں کہ دین ان کے نزدیک صرف چند معمولی باتوں تک محدود ہے اور یہ باتیں بلا خاص نظم وانتظام کے خود بہ خود معلوم ہوسکتی ہیں، ان کا یہ خیال نہایت سطحی خیال ہے، مسلمانوں کی زندگی میں دین اپنی پوری اہمیت رکھتا ہے اور زندگی میں پوری وسعت بھی رکھتا ہے، اس بات کو وہ حضرات نہیں سمجھتے جن کے ذہن کی تشکیل خالص مغربی نظام تعلیم میں ہوئی ہے، وہ مغرب کے لادینی نقطہ نظر سے ہی سوچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین کی تعلیم کے لیے اتنے باقاعدہ انتظام کی کوئی ضرورت نہیں، حالانکہ اگر وہ دین کو زندگی میں وسیع مقام نہ دیتے ہوئے اس کو مسلمان کی زندگی کا صرف ایک پہلو ہی مان لیں تو بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح انسانی زندگی کو میڈکل کالجوں کی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کی زندگی کی صحت کے تحفظ کی اہم ضرورت پوری ہوتی رہے اور جس طرح اخیر تک کالجوں کی ضرورت ہے، جن سے زندگی کے ان پہلوؤں کی ضرورت پوری کرنے والے اشخاص پیدا ہوں اور ان کی ضرورت پوری ہو سکے اور جس طرح لا کالجوں کی ضرورت ہے کہ حکومت وقت کے قوانین سے واقفیت رکھنے والے ماہرین پیدا ہوں اور قانونی تحفظ کا انتظام ہو، اسی طرح مذہب کو مسلمانوں کی زندگی کا اگر ایک پہلو ہی تسلیم کرلیا جائے تو بھی ان کو ہمارے دینی مدارس کی اہمیت کو ماننا پڑے گا کہ اس ضرورت کے انتظام کے لیے ان مدارس کی ضرورت ہے، حالانکہ اسلام میں مذہب زندگی کا صرف ایک پہلو ہی نہیں، بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر احکام وتعلیمات رکھتا ہے، جن کے جانے اور ان پر عمل کیے بغیر ہم زندگی کو اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق نہیں بنا سکتے۔

ہماری مذہبی تعلیم کے یہ ادارے جن کو ممتاز علمائے دین اور دین وملت کی صحیح فکر رکھنے والے مسلم دانشوروں نے قائم کیا اور چلا رہے ہیں اور ان سے مذہب اسلام کی حفاظت انجام پا رہی ہے، ان کو مسلمانوں کے بدخواہوں کی طرف سے بار بار چیلنج کیا جا رہا ہے، اگر ہم اس چیلنج کے خطرہ کو نہیں سمجھ سکیں گے تو ہم بہ حیثیت مسلمان کے ختم ہو جائیں گے اور مغربی قوموں کی صفوں میں ایک ذیلی قوم بن کر رہ جائیں گے، اس لیے ضرورت ہے کہ ہماری ان درس گاہوں کو جو مسلمانوں کی زندگیوں میں دین سے واقفیت پیدا کرنے اور اس سے اپنی وابستگی کو قائم رکھنے کے لیے پاور ہاؤس کی حیثیت سے کام کر رہی ہیں، اہمیت کی نظر سے دیکھا جائے۔

ہمارے ان دینی مدارس پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان میں تعلیم حاصل کرنے والے زندگی کے دیگر تقاضوں سے صرف نظر کرتے ہیں اور ایسے افراد پیدا کرتے ہیں جو سوائے نماز روزہ کے زندگی کی دوسری ضروریات کو پورا کر سکنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، یہ اپنے بیوی بچوں کی ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتے اور نہ حالات زمانہ کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لوگوں کا یہ اعتراض ان کی بالکل بے خبری کی وجہ سے ہے، انہوں نے ان مدارس سے حاصل ہونے والی صلاحیتوں کو جاننے کی کوشش نہیں کی، یہ مدارس گرچہ خالص دینی علوم کے لیے قائم کیے جاتے ہیں، لیکن یہ ابتدائی مرحلہ کی تعلیم میں زندگی کے ضروری پہلوؤں کو بھی تعلیم میں جگہ دیتے ہیں اور اوپر کی تعلیم میں بھی زندگی کے ضروری تقاضوں سے حسب استطاعت واقف کرا دیتے ہیں۔

مدارس کا تحفظ واستحکام ہندوستانی مسلمانوں کا فریضہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ہندوستان کی تاریخ میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام ہم وطنوں کے لیے بہت مشکل وقت وہ تھا جب بادشاہوں، راجاؤں اور نوابوں کی حکومت ختم ہوئی اور برطانیہ نے اپنا پنجہ اقتدار گاڑنا شروع کر دیا، ۱۷۵۷ء میں انگریزوں کی توسیع پسندانہ تحریک شروع ہوئی اور بنگال اور میسور سے ہوتے ہوئے ۱۸۵۷ء میں دہلی پہنچی اور مغلیہ حکومت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ پوری طرح بجھا دیا گیا، ۱۸۵۷ء کے بعد سے نوے سال یعنی ۱۹۴۷ء تک انگریزوں کے اقتدار کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ وطن عزیز کے طول وعرض پر چمکتا رہا، اگر چہ ملک کے مختلف حصوں میں بعض ہندو راجاؤں اور مسلمان نوابوں کی مملکتیں ابھی بھی باقی تھیں لیکن عملاً ہر جگہ انگریزوں کا اقتدار قائم تھا، یہ حکومتیں انگریزوں کے غلام اور اہل وطن کے لیے آقا کا درجہ رکھتی تھیں۔

انگریزوں نے اقتدار کی مدت کو طویل تر کرنے، اپنے قبضہ کو مستحکم کرنے اور مستقل طور پر ہندوستان کو اپنے زیر قبضہ رکھنے کے لیے سیاسی غلبہ کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کی جدوجہد شروع کر دی، اگر چہ عیسائی مشنری کا نشانہ ہندو اور مسلمان دونوں تھے، لیکن ہندؤں کی پست اقوام میں ان کو زیادہ کامیابی حاصل ہوئی اور مسلمان ان کے عزم وارادہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئے، اس لیے انہوں نے اسلامی عقائد، پیغمبر اسلامؐ کی ذات والا صفات، اسلامی قوانین اور قانون شریعت کے مصادر قرآن وحدیث نیز مسلمانوں کی تاریخ کو خصوصی طور پر نشانہ بنایا اور حد یہ ہے کہ اس کام کے لیے دروغ گوئی کرنے، جھوٹ بولنے اور لکھنے میں بھی کسی تکلف سے کام نہیں لیا، مزید ستم یہ ہوا کہ آریہ سماجی فرقہ نے بھی مسلمانوں کی مخالفت میں فکری اعتبار سے ان کی مدد کی، اب مسلمان ایک طرف انگریزوں سے نبرد آزما تھے اور دوسری طرف آریہ سماجیوں سے، اس صورت حال میں اللہ کے کچھ نیک بندوں نے ایک نسخہ کیمیا دریافت کیا، یہ نسخہ تھا حکومت کی مدد اور اس کے اثر سے آزاد دینی مدارس کا قیام، ان کا احساس تھا کہ مدارس ایک ایسا فکری کارخانہ ثابت ہوں گے جن سے تسلسل کے ساتھ تحفظ اسلام کے لیے افرادی قوت حاصل ہو سکے گی، جو اسلام کی ترجمانی اور دفاع کا فریضہ پوری قوت اور دینی غیرت وحمیت کے ساتھ انجام دیں گے اور حکومت کے اثر سے آزاد ہونے کی وجہ سے کوئی طاقت ان کے ضمیر کا سودا نہیں کر سکے گی، اسی جذبہ کے تحت دارالعلوم دیوبند اور مختلف مدارس کا قیام عمل میں آیا، اسی زمانہ میں جنوبی ہند میں باقیات الصالحات اور جامعہ نظامیہ کا قیام عمل میں آیا اور چونکہ اس کوشش کے پیچھے اخلاص کا جذبہ کارفرما تھا، اس لیے یہ پودے تناور ہوتے گئے اور ہندوستان ہی نہیں ہندوستان سے باہر بھی اس کے اثرات محسوس کیے گئے۔

ان مدارس کے ذریعہ اس طویل وعریض ملک میں اسلامی تعلیمات کی حفاظت، مسلم معاشرہ کو دین سے مربوط رکھنے، گمراہ کن افکار سے بچانے، اسلام کے خلاف اٹھائے جانے والے شبہات واعتراضات کا دفاع جیسی ذمہ داریوں کو انجام دیا، چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج اس ملک میں جو کچھ بھی اسلامی تشخصات نظر آتے ہیں وہ ان ہی کوششوں کے اثرات ہیں، موجودہ حالات بعض جہتوں سے تقریباً اسی طرح ہیں جو برطانیہ کے غلبہ کے وقت پیدا ہوئے تھے، آج بھی اسلامی تشخصات کو نقصان پہنچانے کی سعی سیاسی پارٹی ہی نہیں بلکہ خود حکومت کی طرف سے اعلانیہ طور پر کی جارہی ہے، مسجدوں کو صنم خانوں میں بدلنے کی منظم کوشش ہورہی ہے، اسلامی شعار کے خلاف آوازیں اٹھائی جارہی ہیں، شہروں، محلوں اور سڑکوں کے نام تبدیل کیے جارہے ہیں، ملک کی تاریخ از سر نو لکھی جارہی ہے، افسوس کہ جس

قوم نے ملک کی آزادی کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں دیں، ان سے وفاداری کا (certificate) مانگا جا رہا ہے، علماء ومدارس جو آزادی کی لڑائی میں پیش پیش تھے ان کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کیے جا رہے ہیں اور جن لوگوں کو آزادی کی لڑائی میں ایک کانٹا بھی نہیں چبھا، ان کو ملک کا ہیرو قرار دیا جا رہا ہے، اس لیے یہ ایک حقیقت ہے کہ ماضی میں مدارس کی جو ضرورت واہمیت تھی، آج اس سے بڑھ کر ہے، اس لیے مدارس کا تحفظ، ان کا استحکام اور ان کو مفید تر بنانے کی کوشش پوری ملت اسلامیہ ہند کا فریضہ ہے۔

اس وقت ملک کی بعض ریاستوں میں مدارس کے سروے کے نام سے جو بات کہی جا رہی ہے، اس کا مقصد واضح طور پر مسلمانوں کو رسوا کرنا اور ان کو برادران وطن کی نظر میں مشکوک بنانا ہے، اگر حکومت جاننا چاہتی ہے کہ تعلیمی ادارے حکومت کے اصول وضوابط پر عمل پیرا ہیں یا نہیں؟ تو اس کو جاننے کی ضرورت صرف مدارس ہی کو نہیں ہے، تمام تعلیمی اداروں میں ہے، چاہے وہ اکثریتی فرقہ کے تعلیمی مراکز ہوں یا اقلیتوں کے اور اقلیتوں میں مسلمانوں کے ہوں یا سکھوں کے، عیسائیوں کے یا بدھسٹوں کے بلکہ پرائیویٹ اداروں سے زیادہ سرکاری اداروں کا سروے کرنے کی ضرورت ہے کہ حکومت کے قواعد وضوابط کے مطابق اسکولوں کے لیے جو infrastructure ہونا چاہیے وہ مہیا ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں حکومت کا بھی احتساب ہونا چاہیے، صرف مسلمانوں کے تعلیمی اداروں یا دینی مدرسوں کا سروے مسلمانوں کے خلاف شکوک وشبہات کا موقع پیدا کرتا ہے اور اس وقت نفرت کی جو آندھی آئی ہوئی ہے یا لائی جا رہی ہے، اس میں اضافہ کا سبب بن رہا ہے، اس لیے مسلمانوں اور مسلم جماعتوں اور تنظیموں کو قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ اس کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے، کیونکہ آزاد مدارس مسلمانوں کا اپنا اثاثہ ہیں، اس کی زمین، اس کی عمارت، اس کا فرنیچر، اس کی لائبریری وغیرہ میں حکومت کا کچھ نہیں ہے، یہ مذہبی اوقاف کے درجہ میں ہے، اگر کوئی بات قابل تحقیق ہو تو اس کی تحقیق تو کی جا سکتی ہے، لیکن سروے کے نام سے ان کو خوف زدہ کرنا یا مدرسہ کی املاک کو اپنی تحویل میں لے لینا سراسر ظلم وزیادتی ہے، اس لیے ایک طرف ہمیں حکومت کے اس اقدام کی مزاحمت بھی کرنی چاہیے، دوسری طرف ہمیں مناسب تدبیریں بھی اختیار کرنی چاہئیں، اس وقت ان ہی تدابیر کے بارے میں چند نکات پیش خدمت ہیں:

قانونی جہت سے جو کوتاہیاں ہوں ان کو دور کرنا ضروری ہے، دوسرا اہم کام حسابات کو حکومت کے مقرر کیے ہوئے اصول وضوابط کے مطابق لکھنا اور محفوظ رکھنا ہے۔ ایک کام کرنے کا یہ بھی ہے کہ ہر ادارہ اپنے لیے ایک مشیر قانونی مقرر کرے نیز اگر ٹرسٹ یا سوسائٹی کے تحت مدارس کا رجسٹریشن کرلیا جائے تو یہ بہتر شکل ہوگی۔

قانونی جہتوں کی تکمیل کے بعد دوسرا ضروری کام ہے مدارس کے اندرونی نظام کی اصلاح، اس پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے:

مدرسہ شخصی نہ ہو، بلکہ ایک رجسٹرڈ انتظامیہ کے تحت ہو، یہ تو ہوسکتا ہے کہ انتظامیہ ہم مزاج لوگوں پر مشتمل ہو، تاکہ اختلاف و انتشار سے محفوظ رہے، لیکن یہ نہ ہو کہ ادارہ ایک شخص کی ملکیت بن کر رہ جائے۔ اسی طرح مدارس کی رہائش اور خورد ونوش کے انتظام میں بھی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔ مدارس میں حفاظتی انتظام کے لیے بھی بہتر اقدام کی ضرورت ہے۔ مدارس کا بنیادی مقصد تعلیم اور تربیت ہے، تعلیم کے ذریعہ اسلامی علوم کی آگہی حاصل ہوتی ہے اور تربیت کے ذریعہ اس پر عمل کی مشق کرائی جاتی ہے، یہ دونوں باتیں بہت ضروری ہیں، مدارس میں اصل توجہ انہی باتوں پر ہونی چاہیے۔

مدارس میں ایک اہم ضرورت فکری تربیت کی ہے، فکری تربیت سے مراد یہ ہے کہ علماء آج کے دور میں اسلام کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے سکیں، جب تک یہ تربیت نہیں ہوگی، مدارس کے فضلاء موجودہ دور کی ضرورت کے لحاظ سے اسلام کی دعوت اور اس کے دفاع کا فریضہ انجام دینے اور مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے کے لائق نہیں ہوسکیں گے اور فکری تربیت سے محرومی کی بنا پر الٹے امت میں انتشار واختلاف کو ہوا دیتے رہیں گے۔

کامیاب زندگی کی ضمانت

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

دنیا کے معرکہ کارزار میں انسانوں کا ایک بڑا طبقہ جمود کا شکار اور مشینی زندگی گذارنے کا عادی ہے، جو صبح کو اٹھتا ہے اور ناشتہ کرتا ہے، پھر اپنے کام پر لگ جاتا ہے، پڑھنے والا اپنے مدرسہ یا اسکول چلا جاتا ہے، بزنس مین اپنا بزنس سنبھالنے کی فکر میں لگ جاتا ہے، ملازم پیشہ اپنے آفس کا رخ کرتا ہے، کسان اپنے کھیت میں مشغول ہوجاتا ہے، مزدور اپنے کام میں مست ہوجاتا ہے، ڈاکٹر اپنے کلینک پر بیٹھ جاتا ہے اور کاری گر کارخانہ کے کاموں میں جٹ جاتا ہے، غرض جس کا جو پیشہ اور کام ہے وہ اس میں مصروف عمل ہوجاتا ہے، پھر وہ دوپہر کے وقت اپنے گھر واپس آتا ہے اور تنہا یا بسا اوقات اپنے اہل خانہ کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھاتا ہے اور دوبارہ اپنے کام میں مگن ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ جب سورج ڈھل جاتا ہے تو آدمی اپنے گھر واپس آتا ہے اور لمبی تان کر سوجاتا ہے، تاکہ دن بھر کی ٹینشن ختم ہوسکے، طبیعت کو سکون مل جائے، تکان کا اثر اور کاموں کا بوجھ ہلکا ہوجائے اور آئندہ کل پورے جوش وجذبہ سے دوبارہ کام پر لگ جائے، تاکہ وہ ازسرنو اپنی محنت کا پھل اس طرح حاصل کرسکے کہ اس کے پاس پہننے کے لیے بیش قیمت پوشاکیں ہوں، کھانے میں لذیذ ترین ڈشیں ہوں، رہنے کے لیے ٹائلس اور سنگ مرمر سے بنا عالیشان بنگلہ ہو، جس کی دیواروں پر ریشم کے پردے ہوں اور بیٹھک میں نرم صوفے پڑے ہوں، نیز چلنے کے لیے نئے سے نئے ماڈل کی مرسڈیز گاڑیاں ہوں، ساتھ ہی ایک خطیر رقم بینک بیلنس کے طور پر بھی ہو، تاکہ چہار طرف سے لوگ اس کی مدح وستائش میں رطب اللسان نظر آئیں اور اس طرح اس کا شمار اصحاب ثروت میں ہوسکے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں ایک چوب خشک سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں اور نہ ہی ان چیزوں میں جن کو وہ نعمت خداوندی سمجھتا ہے، اتنی جان ہے کہ وہ انسانی مشکلات سے بچاؤ کا سامان بن سکیں، یا مشکل وقت میں مصائب وتکالیف سے نجات دے سکیں، مگر وہ ان کی خاطر دیوانہ وار اپنا خون پسینہ ایک کیے رہتا ہے اور مال ودولت کے حصول میں اپنی جان کو کھپا دیتا ہے، جب کہ اس سب کا فائدہ کسی دوسرے ہی کو حاصل ہونا یقینی ہے۔

ہماری زندگی کا سفینہ مادیت کے جس گرداب میں پھنسا ہے اس کو ''زندگی'' نہیں کہتے، یہ زندگی تو بس معدہ اور نفس کی غلام ہے، جو محض نفع اندوزی، خودغرضی اور مفادات سے عبارت ہے، اس زندگی کا احساسات وجذبات، دل اور انسانی ضمیر سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ایسی زندگی اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے بلکہ اسلام انسانوں سے جس پاکیزہ زندگی کا متقاضی اور داعی ہے، وہ ایک ایسی جامع زندگی ہے جو عقلانیت ومادیت کا حسین سنگم ہے، اس میں قلب وروح کی جامعیت ہے اور احساسات وجذبات اور فکر وعمل کا بہترین امتزاج ہے، اسلام کا یہی وہ طرز زندگی ہے جو دوسروں کی دل داری، ہر انسان کو آرام پہنچانے اور خالق حقیقی سے انسانوں کا رشتہ جوڑنے سے عبارت ہے۔

اسلامی طرز زندگی کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں دل کی حیثیت بادشاہ کی اور عقل کی حیثیت وکیل کی ہے، اس میں جذبات کی رعایت ہے اور شریعت مطہرہ کے مطابق انسانی تقاضوں کا مکمل خیال رکھا گیا ہے۔ رواداری وغم خواری، ہم دردی ورحم دلی، عدل واحسان، اخوت ومحبت، ایثار وخیرخواہی، اخلاص وقربانی' اسلامی طرز زندگی کے جلی عناوین ہیں۔ یہی وہ جامع دستور حیات ہے جس کو دین اسلام نے وضع کیا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے اندر ایک مبارک وکامیاب زندگی کے تمام عناصر اعتدال کے ساتھ ودیعت کردیے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اسی طرز زندگی کو اپنائیں، اس پر سو فیصد عمل کی کوشش کریں اور اپنی عملی زندگی میں مذکورہ عناصر کا پاس رکھیں، جن کے بغیر ایک بامقصد، پرسکون اور خوش حال زندگی کا تصور ممکن نہیں۔

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تقویٰ بڑی اہم صفت ہے، بلکہ تمام کاموں کی بنیاد ہے، اگر آدمی کے مزاج کے اندر تقویٰ ہوتا ہے تو وہ صحیح زندگی گذارتا ہے، بہت سے وہ الفاظ جو اردو میں آنے کے بعد بڑے مظلوم سے ہوگئے ہیں اور ان کا مفہوم کچھ کا کچھ ہوگیا ہے، انہی میں سے ایک ''تقویٰ'' کا لفظ بھی ہے، اردو میں جب کسی کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب بڑے متقی ہیں، تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ماشاء اللہ بہت نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور ان کا لباس بھی ظاہری طور پر بہت حد تک شریعت کے مطابق ہے، گویا ظاہری اعمال کو تقویٰ سمجھا جاتا ہے اور یہ ایک عام مزاج بنا ہوا ہے۔

تقویٰ کے معنی:

تقویٰ کے لفظ میں بہت عموم ہے، اس کا ایک ترجمہ ڈرنے سے بھی کیا جاتا ہے، دیکھا جائے تو اس کے اندر بھی تقویٰ کا پورا مفہوم نہیں ہے، تقویٰ کا اصل مطلب ہے اللہ کا لحاظ کرنا یعنی غلط کاموں سے بچنا اور اچھے کام کرنا، تقویٰ میں دونوں چیزیں آتی ہیں، اس لیے کہ جب اللہ کا لحاظ اور اس کا خیال ہوگا تو آدمی وہ زندگی گذارے گا جس سے اللہ راضی ہو، بہت سے کام ایسے ہیں جو کرنے کے ہیں اور بہت سے کام ایسے ہیں جو نہ کرنے کے ہیں، تقوی کا مکمل اطلاق جب ہی ہوگا جب کرنے والے کام کیے جائیں اور نہ کرنے والے کاموں سے بچا جائے، غرض تقویٰ کے لفظ میں بہت عموم اور وسعت ہے۔

تقویٰ کا مفہوم:

حضرت عمرؓ فاروق کی ایک حدیث سے جس سے تقویٰ کے مفہوم کی صحیح وضاحت ہوتی ہے، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک صحابی سے پوچھا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: امیر المومنین! کیا کبھی آپ کا ایسے راستہ پر گذرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف کانٹوں کی باڑ لگی ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں، انہوں نے پوچھا: تو آپ اس راستہ سے کیسے گذرے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اپنے کپڑوں کو بچاتے ہوئے کہ کہیں کانٹوں سے دامن الجھ نہ جائے اور کپڑا اس میں پھنس نہ جائے، ظاہر ہے ایسے راستہ پر بہت احتیاط سے گذرنا پڑتا ہے، تو ان صحابی نے کہا کہ اسی احتیاط کا نام تقویٰ ہے، آدمی دنیا میں زندگی گذارے، لیکن احتیاط کے ساتھ گذارے۔

تقویٰ کا حصول:

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے دنیا کو امتحان کا گھر بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں کشش کی ایسی ایسی چیزیں رکھ دی ہیں کہ انسان ان کی طرف کھنچتا ہے، اس کی طبیعت ہر لحاظ سے اس کی طرف مائل ہوتی ہے، ایسی صورت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور اللہ کا لحاظ ہونا، اس کا ڈر ہونا اور اس بات کا خیال ہونا کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے اللہ ناراض ہو، یہ اصل تقویٰ کا مزاج ہے اور آدمی جب خود پر محنت کرتا ہے اور اپنے لیے کوشش کرتا ہے کہ اس کے اندر یہ مزاج بنے تو آہستہ آہستہ اس کا مزاج بنتا ہے، کیونکہ تقویٰ کسی بٹن کا نام نہیں ہے کہ دبایا اور کام ہوگیا، بلکہ تقویٰ محنت کرنے سے حاصل ہوتا ہے، رمضان کے روزوں کی فرضیت کی حکمت یہی بیان کی گئی ہے کہ اس سے تقویٰ کا مزاج بنتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (البقرة: ۱۸۳)

(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔)

حصول کا ذریعہ:

تقویٰ کا مزاج بننے اور تقویٰ پیدا ہونے اور اس کا مزاج بنے کا ایک بڑا ذریعہ یہ رمضان بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو روزے ہم کو دیے ہیں، یہ ایک ذریعہ ہیں تقویٰ کا مزاج بنانے کا اور اپنے اندر تقویٰ کی شان پیدا کرنے کا، آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم

سے ان چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے جو چیزیں اس کے لیے جائز ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنا کھانا پینا بھی چھوڑ دیتا ہے، جس کے بارے میں خود قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

﴿کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً﴾ (پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور بھلے کام کرو۔) ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿کُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْأَرْضِ مُفْسِدِینَ﴾ (اللہ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔)

ان آیات سے پتہ چلا کہ کھانے پینے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ہمیں حکم ہے اور بلاشبہ یہ انسانی زندگی کے لیے ضروری ہے، لیکن رمضان المبارک میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک کا ایک خاص وقت ہوتا ہے جس میں آدمی نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، گویا یہ وقفہ ایک طرح کی ریہرسل ہے کہ جو چیزیں جائز ہیں، اللہ کے حکم سے بندہ نے وہ بھی چھوڑ دیں، اب وہ چیزیں جو ناجائز ہیں اور ہمیشہ کے لیے حرام ہیں، ان سے آدمی کیسے قریب ہوسکتا ہے۔

نیت کا اثر:

نئی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نیت سے بڑا اثر پڑتا ہے، آدمی کوئی کام کرے جس نیت سے کرتا ہے، اس کا وہی نتیجہ نکلتا ہے، بلکہ نئی تحقیق تو یہ کہتی ہے کہ آدمی جس مقصد سے ٹہلتا ہے بنیادی طور پر وہی مقصد اس کو حاصل ہوگا، اگر کوئی اس لیے ٹہل رہا ہے کہ ہمارا وزن کم ہو تو اس کا وزن کم ہوگا، اگر کوئی اس لیے ٹہل رہا ہے کہ ہماری شوگر کم ہو تو اس کی شوگر کم ہوگی، اگر کوئی اپنے دوسرے کسی کام سے ٹہل رہا ہے، اس کو کہیں جانا ہے تو اس کو مجبوراً چلنا پڑ رہا ہے تو اس کے ذریعہ صرف وہ وہیں تک پہنچے گا، دوسرا کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا، گویا نئی تحقیق یہ کہتی ہے کہ آدمی جس نیت سے جو کام کرے گا، اس کو اتنا ہی فائدہ حاصل ہوگا، زیادہ فوائد حاصل نہیں ہوں گے، بلکہ اس کا جو بنیادی طور پر مقصد ہے وہی مقصد بنیادی طور پر پورا ہوگا، ضمنی طور پر اسے دوسری چیزیں حاصل ہوسکتی ہیں۔

جب مادی چیزوں کے بارے میں آج کی سائنس اس کو تسلیم کر رہی ہے، تو ہم دین و دنیا کے جو کام کرتے ہیں ان میں جب اللہ کی رضا کی نیت کریں گے تو ان کاموں کا جو بنیادی مقصد ہے وہ ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے گا، اگر آدمی روزے اللہ کی رضا کے لیے رکھ رہا ہے اور تقویٰ کا مزاج بنانے کے لیے رکھ رہا ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں روزوں کا یہ مقصد بیان کیا گیا ہے، تو یقیناً اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ انشاء اللہ اس کے ذریعہ تقویٰ کا مزاج بنے گا۔

ترکیز کی ضرورت:

تقویٰ کا مزاج بنانے کے لیے آدمی کو اپنا ذہن لگانا پڑتا ہے اور مقصد کو سامنے رکھنا پڑتا ہے، اپنی زندگی کا جائزہ لینا پڑتا ہے کہ ہم دن کیسے گزار رہے ہیں روزہ بھی اور پھر ہم اس میں بہت سی غلط باتیں اختیار کر لیتے ہیں؟ بعض مرتبہ ہم اپنی گفتگو میں بہت ہی نامناسب باتیں کرتے ہیں اور بہت سی باتیں ایسی کہہ جاتے ہیں جن کا تعلق ایسی چیزوں سے ہوتا ہے جو ہمارے اعمال کو برباد کر دیتی ہیں اور اگر ہم روزہ سے ہیں تو ہمارے روزہ کو خراب کر دیتی ہیں، باتوں باتوں میں کچھ غیبت ہو جاتی ہے اور ہم کو احساس بھی نہیں ہوتا، لیکن جب ہمارا دماغ اس کے لیے تیار ہو جائے کہ روزہ ہماری زندگی کی اصلاح کے لیے ہے، ہمارے اندر تقویٰ کا مزاج پیدا کرنے کے لیے ہے اور اس کے بعد ہم روزہ رکھیں اور صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا جو وقت ہے اس میں ہم جو کچھ کریں، اس میں اپنا جائزہ بھی لیتے رہیں، سوچیں کہ ہم یہ کام صحیح کر رہے ہیں یا غلط کر رہے ہیں، ہمارے اس کام سے اللہ راضی ہوگا یا ناراض ہوگا؟!

تقویٰ کا فائدہ:

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم نے ایک ایک قدم پر سوچا، جس کو کہتے ہیں کہ پھونک پھونک کر ہم نے قدم رکھا تو یقیناً پھر اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم بہت سارے غلط کاموں سے بچیں گے اور اس کے ذریعہ سے ہماری تربیت ہوگی، جس کا نتیجہ انشاء اللہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ کا مزاج عطا فرمائیں گے۔

نکاح کے چند مسائل (۵)

مفتی راشد حسین ندوی

حرمت مصاہرت کے مسائل:

مصاہرت کے معنی سسرالی رشتہ داری کے ہوتے ہیں، یعنی وہ رشتہ داریاں جوشادی کرنے کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں، جس طرح نسب کواللہ کی ایک نعمت قرار دیا گیا، اسی طرح سسرالی رشتہ داری کو بھی ایک نعمت قرار دیا گیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَراً فَجَعَلَهُ نَسَباً وَصِهْراً﴾(الفرقان: ٥٤) (اللہ ہی نے پانی سے انسان کو پیدا فرمایا اوراس کونسبی اور سسرالی رشتہ والا بنادیا)

اوپر بیان کردہ آیت کریمہ میں صہریت کی بنیاد پر بھی کئی عورتوں کوحرام قرار دیا گیا ہے، ان کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جس عورت سے نکاح کیا اس کے اصول یعنی ماں دادی نانی وغیرہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہیں، خواہ نکاح کرتے ہی دخول سے پہلے ہی عورت کوطلاق دیدے، قرآن میں ان کی حرمت کا تذکرہ کرتے ہوئے دخول کی شرط نہیں ہے: ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ (تمہاری بیویوں کی مائیں) (شامی:۲/۳۰۲، البحر الرائق:۳/۹۳)

(۲) جس عورت سے نکاح کیا اس کے فروع یعنی بیٹیاں پوتیاں نواسیاں وغیرہ حرام ہوجاتی ہیں، بشرطیکہ اس عورت سے دخول کرچکا ہو یا اس کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوچکی ہو، اگر یہ دونوں چیزیں ہونے سے پہلے ہی عورت کوطلاق دے دی تو اس کی بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہوگا، یہ حکم بھی قرآن میں صراحت سے آیا ہے۔

(شامی:۲/۳۰۲، بدائع:۲/۵۳۴)

(۳) اپنے اصول یعنی باپ دادا یا نانا وغیرہ کی منکوحہ عورتیں، جیسا کہ آیت کریمہ میں ذکر ہے۔ (شامی:۲/۳۰۲، ہندیہ:۱/۲۷۴)

(۴) اپنے فروع یعنی بیٹے پوتے یا نواسہ کی منکوحہ عورتیں جیسا کہ آیت کریمہ میں مذکورہ ہے، یہ عورتیں خواہ اصول یا فروع کے نکاح میں ہوں یا ان کی بیوہ یا مطلقہ ہوں، خواہ اصول وفروع نے ان سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، یہ سب عورتیں حرام ہیں۔

(شامی:۲/۳۰۲-۳۰۳، ہندیہ:۱/۲۷۴)

(۵) اوپر نکاح سے جتنی عورتوں کے حرام ہونے کا ذکر کیا گیا، ان سب کی حرمت زنا سے بھی ثابت ہوجاتی ہے، یعنی کسی عورت سے زنا کیا تو زانی پر اس عورت کے اصول وفروع ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائیں گے اور اگر اصول یا فروع میں سے کسی نے کسی عورت سے زنا کیا تو وہ عورت بھی اس کی منکوحہ جیسی مانی جائے گی اوراس سے نکاح حرام ہوگا۔ (شامی:۲/۳۰۳)

(۶) رضاعی اصول وفروع (رضاعی باپ، رضاعی بیٹا) کی منکوحہ ومولوءۃ عورتیں بھی حرام ہوں گی۔ (شامی:۲/۳۰۲-۳۰۳)

(۷) جس عورت کوشہوت کے ساتھ چھولیا، یا خاص شرم گاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھ لیا تو اس سے بھی اس کے اصول وفروع احناف کے نزدیک حرام ہوجاتے ہیں، امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ (شامی:۲/۳۰۴)

جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جس سے زنا کیا ہو، یا شہوت کے ساتھ دیکھا ہو تو اس سے نکاح کرنا زانی یا غیر زانی کے لیے درست ہے اور وطی بھی جائز ہے اور اگر زنا کی وجہ سے وہ حاملہ ہوجائے، تب بھی زانی یا غیر زانی اس سے نکاح کرسکتے ہیں، بس فرق یہ ہے کہ غیر زانی اس سے وضع حمل ہونے تک وطی نہیں کرسکتا، جب کہ زانی کے لیے وضع حمل سے پہلے بھی وطی کرنا جائز ہے۔

(ہندیہ:۱/۲۸۰)

رضاعت کے سبب حرمت:

رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جونسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، اوپر آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا وہ بھی تم پر حرام ہیں اور رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام ہیں اور حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ رضاعت سے وہ تمام رشتے

حرام ہوجاتے ہیں جونسب سے حرام ہوجاتے ہیں۔
(بخاری:۲۶۴۵، مسلم:۱۴۴۷)

اس کے تفصیلی مسائل انشاء اللہ الگ باب میں بیان کیے جائیں گے۔ (ہندیہ:۱/۲۷۷)

جمع کی وجہ سے حرمت:

اوپر آیت میں دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کو حرام قرار دیا گیا، احادیث میں ذکر آتا ہے کہ ایک صاحب نے اسلام قبول کیا تو ان کے نکاح میں دو بہنیں تھیں، آپ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ (ترمذی:۱۱۲۹، ابوداؤد:۲۲۴۳)

احادیث میں اس میں بہنوں کے لیے دو ایسی محرم عورتوں کو ایک ساتھ رکھنے سے منع کیا گیا کہ ان عورتوں میں سے ایک مرد اور دوسری عورت ہوتی تو ان کے درمیان نکاح جائز نہ ہوجاتا، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''عورت اور اس کی پھوپھی کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی عورت اور اس کی خالہ کو (اکٹھا کیا جائے گا۔) (بخاری:۵۱۰۹، مسلم:۱۴۰۸)

اس حرمت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جن دو عورتوں کے درمیان اتنا قریبی رشتہ ہو، اگر ان کو ایک ساتھ نکاح میں رکھ کر دونوں کو ایک دوسرے کا سوکن بنادیا جائے تو ان کے درمیان قطع رحمی ہونا تقریباً یقینی ہے، لہٰذا اس کی جڑ کاٹ دی گئی اور اس طرح کے رشتہ کو حرام قرار دیا گیا، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تم قطع رحمی کروگے۔ (طبرانی)

اگر کوئی ایک ساتھ دو بہنوں یا دو ایسی عورتوں سے نکاح کرتا ہے جن کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے، تو پہلی سے نکاح ہوجائے گا اور دوسری سے باطل ہوگا، اگر اس کے باوجود رکھا تو زانی اور بدکار ہوگا اور اگر ایک ساتھ ہی ایک ہی ایجاب سے دونوں سے نکاح کیا تو دونوں نکاح باطل ہوں گے۔ (ہندیہ:۱/۲۷۷)

اگر ان عورتوں میں سے ایک نکاح میں ہو اور وہ اس کو طلاق دے کر دوسری سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو جب تک عدت پوری نہ ہوجائے، دوسری سے نکاح باطل ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۲۷۸)

حق غیر کی وجہ سے حرمت:

آیت میں کسی شخص کی منکوحہ کو بھی محرمات میں شامل کیا گیا ہے، یہی حکم کسی شخص کی معتدہ عورت کا بھی ہے، خواہ وہ عدت وفات گذار رہی ہو یا عدت طلاق گذار رہی ہو، اگر کوئی دوسرے کی بیوی یا معتدہ سے نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہوگا، البتہ اگر نکاح کرنے والے کو علم نہیں تھا تو انشاء اللہ اس کو گناہ نہیں ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۲۸۰)

شرک کی وجہ سے حرمت:

حرمت نکاح کا ایک سبب عورت کا مشرک ہونا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ﴾ (البقرۃ: ۲۲۱) (اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لے آئیں ان سے نکاح مت کرو)

مشرکین میں ہندو مجوسی جیسے وہ تمام مذاہب والے شامل ہیں جو مورتی، چاند ستارے، آگ وغیرہ کی پوجا کرتے ہیں۔
(شامی:۲/۳۱۳-۳۱۴)

اہل کتاب عورتوں سے نکاح:

اہل کتاب عورتوں میں سے جو پاک دامن ہوں ان سے نکاح کی اجازت قرآن میں صراحت سے دی گئی ہے: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ (المائدۃ: ۵) (اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے)

لیکن فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ بچوں کے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے، اسی لیے حضرت عمرؓ بھی اس کو ناپسند کرتے تھے!
(شامی:۲/۲۸۰)

خیال رہے کہ اجازت اسی وقت ہے جب عورت واقعی یہودی یا عیسائی ہو، اگر ملحد ہو جیسا کہ آج کے دور میں یورپ وامریکہ میں بڑی تعداد میں لوگ ہوتے ہیں تو ان سے نکاح جائز نہیں ہوگا، یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح صرف مسلمان سے ہوسکتا ہے، کسی مشرک یا عیسائی، یہودی سے نہیں ہوسکتا۔

مدارس- تعلیم وتربیت کا بہترین ذریعہ

محمد امین حسنی ندوی

۱۸۵۷ء میں جو ناکامی ہوئی اس کی تلافی کے لیے علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ اب جو سرمایہ بچا ہے ایمان کا' اس کی حفاظت کی جائے، حالات جو بگڑ چکے تھے اور جو بگاڑے جارہے تھے اس کا واحد حل مدارس ومکاتب کا قیام تھا، بچوں کے ایمان کی حفاظت کا واحد راستہ اب انہی مدارس کے قیام کی شکل میں ہوسکتا ہے، برصغیر کے حالات انتہائی تشویش ناک ہوگئے تھے، دینی اقدار روندی جارہی تھیں اور مذہب بے زاری پیدا ہورہی تھی، دینی تشخص رکھنے والوں کو کمتر سمجھا جا رہا تھا، ان پر جملے کسے جاتے تھے، اس موقع پر علماء نے دینی مدارس کی بنیاد ڈالی اور پورے ملک میں مدارس کا جال بچھایا گیا اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دین پر اعتماد بحال ہوا اور مذہب بیزاری ختم ہوئی اور پھر آزادی کی جنگ میں علماء نے بڑا کردار ادا کیا، اپنی جانیں قربان کیں اور ملک کو غلامی سے نکال کر آزادی سے روشناس کرایا۔

ہندوستان میں دینی مدارس اسلام کے لیے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی نسبت صفہ نبوی سے ہے، اگر کہا جائے کہ دینی مدارس اسلام کی عملی تصویر ہیں تو غلط نہیں، لیکن افسوس کی بات ہے آج مدارس نے وہ عملی تصویر پیش نہیں کی، جب کوئی قوم اقلیت میں ہوتی ہے تو اس کو محنت اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اس کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جو اکثریت کا فرق رکھتی ہے، لیکن جب اقلیت میں محنت نہ ہو، آپس میں اتفاق واتحاد نہ ہو اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی وغمخواری کے جذبات نہ ہوں، تو اس کو کیسے ترقی مل سکتی ہے اور کیسے وہ آگے بڑھ سکتی ہے؟

اگر ہم مدارس کا مقصد متعین کرنے کی کوشش کریں تو ہم کو سب سے پہلے قرآن مجید کی اس آیت کو سامنے رکھنا ہوگا:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾(آل عمران ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

اس آیت میں صاف طور پر یہ بات واضح کردی گئی کہ تمہارا مخاطب انسان ہو، کوئی قوم' کوئی گروہ' کوئی جماعت نہ ہو، جب ہم اس بات کو سمجھ لیں گے تو مدارس کے قیام کا مقصد بھی ہم کو سمجھ میں آجائے گا، اگر دیکھا جائے تو یہود کے بارے میں قرآن میں یہ بات کہی گئی:

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾

(کیا تم کتاب کے کچھ حصہ کو مانتے ہو اور کچھ کو نہیں مانتے)

پھر اس کے جواب میں یہ بات بھی کہہ دی گئی:

﴿فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ﴾

(تو اُس کا اِس کے سوا بدلہ ہی کیا ہے کہ دنیاوی زندگی میں بھی اس کے لیے رسوائی ہے اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے)

دینی مدارس قرآن مجید کا مخاطب ہیں اور قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے ہے۔

اس وقت عالمی سطح پر اور خاص کر ملکی سطح پر ملت اسلامیہ کو بدنام کرنے کی سازش کی جارہی ہے، اسلامی تشخص اور دین سے وابستگی کو ختم کردینے کی سازشیں چل رہی ہیں اور اس سلسلہ میں انہی لوگوں سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے جو اسلام کے لبادہ میں بددین ہیں، ان سے اسلام کے بارے میں، اسلامی تعلیمات کے بارے میں ایسے ایسے بیانات دلوائے جارہے ہیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے

میں شکوک وشبہات پیدا ہوں، یہ شبہات کہیں علمی وفکری میدان میں پیدا کیے جارہے ہیں، تو کہیں تمدنی وتاریخی میدان میں، کہیں سیاسی و سماجی میدان میں فتنے کھڑے کیے جارہے ہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ ہم ویسی تیاری نہیں کر پارہے ہیں کہ ان شبہات کو دور کرسکیں اور اسلامی تعلیمات کو واضح اور صاف ستھرا کر کے پیش کرسکیں، نہ انفرادی کام کر پارہے ہیں، نہ ہی اجتماعی، ہم اپنی صلاحیت وطاقت کو ایسے کاموں میں لگارہے ہیں جن سے صرف ہمارا گھر ہی اجڑ سکتا ہے، آپس میں ناچاقیاں، اختلافات، ایک دوسرے پر بہتان، ایک دوسرے کے جوابات بس صرف انہی چیزوں میں ہماری صلاحیت ضائع ہورہی ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم ان مدارس سے اسلامی تعلیمات کو عملی طور پر پیش کرسکتے تھے۔

آج ہم نے مدارس کا وہ صحیح نمونہ پیش نہیں کیا، سچی بات یہ ہے کہ مدارس میں مسلم بچوں کی تعداد دو سے ڈھائی فیصدی ہے، باقی ایک بڑی تعداد یا تو اَن پڑھ ہے، یا اسکول وکالجز میں جارہی ہے، جہاں نہ ایمان کی حفاظت ہے اور نہ ہی اسلامی تشخص کی حفاظت کا کوئی ذریعہ ہے لیکن جب ہم مدارس میں مستقبل کے تعلق سے فکرمند ہوں گے اور ان طلباء کے ذہن میں بھی یہ بات رہے گی کہ مدرسہ میں پڑھ کر ہمارا کیا ہوگا؟ مستقبل ہمارا تاریک ہوجائے گا، کیونکہ ہم نے مدارس میں دین ودنیا کو الگ کر کے پیش کیا، ہم نے یہ سمجھا کہ صرف دین بچ جائے، ایمان بچ جائے، باقی مستقبل میں کیا حالات ہوں اس کی فکر ہم نے نہیں کی، آج مدرسہ میں آنے والے بچے کے ذہن میں کبھی مقصد نہیں آتا کہ ہمارا مدرسہ میں پڑھنے کا کیا مقصد ہے؟

قرآن مجید نے صاف طور پر بتادیا کہ ''اخرجت للناس'' پوری انسانیت کو ہمارا مخاطب بنایا گیا اور اسی طرح کائنات کی ہر چیز کو ہمارا مخاطب بنایا گیا، ''عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا'' سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دین ودنیا کی تقسیم جو کی جاتی ہے، یہ غلط ہے۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ☆ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ☆ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ☆ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق: ۱-۵)

(پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کو پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔)

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى ☆ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ☆ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ☆ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى ☆ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ☆ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى﴾

(الأعلى: ١٤-١٩)

(کامیاب وہ ہوا جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے پروردگار کا نام لیا اور نماز پڑھی لیکن تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت کی زندگی اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے)

اسلام میں کہیں پر بھی یہ تقسیم نہیں کی گئی کہ یہ دنیاوی علوم ہیں، یہ دینی علوم ہیں، وہاں سب کچھ پڑھنے کا حکم ہے، لیکن ''اسم رب'' کے ساتھ، علم کو اللہ سے جوڑا گیا ہے اور جو علم ''اسم رب'' سے شروع ہوگا وہ علم، علم حقیقی ہوگا۔

موجودہ حالات میں جو مدارس اسلامیہ پر حملہ کیا جارہا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم مدارس کا مقصد نہ خود سمجھے ہیں، نہ ہی دوسروں کو سمجھا پائے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ جو برائیاں، جو خرابیاں معاشرہ میں ہیں، وہی برائیاں مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء میں بھی ہیں، مدرسہ ایک سانچہ ہے اسلام کا اور جو اس سانچہ سے گذر جائے وہ اسلام کا عملی نمونہ ہونا چاہیے، مدرسہ کی چہار دیواری اسلامی تعلیمات کا عملی تصور پیش کرے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ طلباء میں خود اعتمادی پیدا کی جائے، ان کو نئے مسائل سے روشناس کرایا جائے، عوام سے ان کا رابطہ مضبوط کرایا جائے اور علاقہ کی بااثر شخصیات کو مدرسہ سے واقف کرایا جائے، ان کے ذہن میں جو اشکالات ہوسکتے ہیں، ان کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ
اور مکاتب کا قیام

محمد ارمغان بدایونی ندوی

''مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک نیا خیال، ایک نیا جذبہ اور ایک نیا حوصلہ ملت اسلامیہ ہند کو دیا۔'' (قاضی محمد عدیل عباسیؒ)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت ہشت پہل ہیرے کے مثل تھی جو زندگی کے مختلف میدانوں میں سب سے ممتاز نظر آتی ہے، حضرت مولاناؒ خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات پر اکتفا کے قائل نہ تھے، بلکہ وہ عملاً وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل کے پرزور داعی تھے، گرچہ وہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے شہ سوار تھے، مگر ملی وقومی مسائل سے بھی بے نیاز نہیں تھے، بلکہ مسلمانوں کی سیاسی صورت حال اور ان کی تعلیمی پسماندگی پر ہمیشہ فکر مند رہتے تھے، یہی وہ درد وفکر تھا جس نے حضرت مولاناؒ کو مدرسہ کی چہار دیواری سے باہر فکر وعمل کے میدان میں قدم رکھنے پر مجبور کیا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ ملت اور عقیدہ کی ضرورت کے مطابق تعلیم کو عام کرنے کے داعی ہی نہیں بلکہ قافلہ سالار تھے جس کی خاطر آپ نے بڑے پرمغز مقالات لکھے اور جامع خطابات کیے، نیز دینی تعلیمی کونسل کے اسٹیج سے مسلسل چالیس برس تک حکومت اور مسلمانان ہند کے قلب وضمیر کو جھنجوڑتے رہے، حضرت مولاناؒ عصری تعلیم کی اہمیت وافادیت کے بھی قائل تھے تاہم اس کے غلط نظام تعلیم سے انہیں سخت اختلاف تھا، جس پر وہ ہمیشہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں صراحۃً تنقید کرتے رہے اور اصلاح کی کوششیں بھی کیں۔

بلاشبہ حضرت مولانا علی میاںؒ کی علمی، دعوتی اور فکری خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، ان کی پوری زندگی دینی مدارس وجامعات کے تحفظ وبقا اور احیائے مکاتب کی فکر سے عبارت ہے، مدارس ومکاتب میں طلبہ کے لیے نصاب تعلیم کی تبدیلی کا مسئلہ ہمیشہ آپ کی توجہات کا مرکز رہا اور آپ نے اپنی قابل قدر کوششوں سے ایک ایسا نصاب تعلیم تیار کیا جو ملت کی ضرورتوں اور جدید تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملک کے طول وعرض میں حضرت مولانا کے اس تخیل کو ہاتھوں ہاتھ قبول کیا گیا اور سینکڑوں ایسے مدارس قائم ہوئے جن کی طائر فکر کا نشیمن فکر بوالحسن قرار پائی۔

ہندوستان میں آزاد دینی مدارس کو حضرت مولاناؒ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ انہیں بہرصورت خدمت دین میں مصروف عمل دیکھنا چاہتے تھے اور ان کا مالی وفکری تعاون اپنا اولین فریضہ سمجھتے تھے، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ رقم طراز ہیں:

''مالی تعاون کے سلسلہ میں بارہا ایسا ہوا کہ دوسرے کسی ادارہ کے لیے مولانا نے پرزور سفارش فرمائی، جب کہ ندوہ اور اس سے متعلق کسی دوسرے ادارے کے لیے احتیاط فرماتے تھے۔''

(دعوت وفکر کے اہم پہلو: ۱۹۵)

آزادی کے بعد جب ہندوستان ایک سیکولر اسٹیٹ بنا، تو مسلم بچوں کی دینی تعلیم کا ذمہ حکومت سے ساقط ہوگیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا غیر مذہبی نصاب کے واضعین نے دیومالائی باتیں اور مشرکانہ کہانیاں داخل نصاب کردیں، بلاشبہ یہ سنگین مسئلہ مسلمانوں کی آئندہ نسل کے لیے ان کی موت وحیات کا مسئلہ تھا، بقول مفکر اسلام حضرت مولاناؒ:

''اگر یہ سلسلہ چند سال اور جاری رہا تو ملت ابراہیمی اور امت محمدی کی نئی نسل اسلام کے عقیدۂ توحید خالص سے ناآشنا یا منحرف اور شرک جلی اور کفریہ عقائد کی معتقد یا ان سے متاثر ہوجائے گی۔''

(کاروان زندگی: ۱/۴۶۰)

حضرت مولاناؒ کو ہندو احیائیت کے ایسے جارحانہ ماحول میں ملک کے مسلمانوں کی بنیادی دینی تعلیم کی فکر بڑی سختی سے دامن گیر ہوئی، وہ دینی تعلیم کو مسلم بچوں کے لیے ہوا اور پانی سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولاناؒ مسلمان قوم کو ایک ایسے نظام تعلیم کے بھروسہ چھوڑنے پر قطعاً راضی نہ تھے جو ان کی شناخت مٹادے اور قومی دھارے میں ضم کردے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے اس پیچیدہ وحساس مسئلہ کو حل کرنے

کے لیے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے سلبی (negative) اور ایجابی (positive) دونوں طرح کے بڑے ٹھوس اقدامات کیے۔

سلبی اقدام یہ کیا کہ تعلیمی پالیسی میں حکومت کو دیانت داری کا سبق دیا، جس کے لیے انہوں نے وزراء کو مؤثر خطوط لکھے، با اثر شخصیات سے ملاقاتیں کیں، علمی مذاکرات کا سہارا لیا اور ذمہ داران حکومت کو یہ باور کرایا کہ آزادی کے بعد بھی انگریزی دور کی طرح نامذہبی اور غیر جانب دار ہوکر سیکولر نصاب تعلیم بنایا جائے، جس میں بے ضرر کہانیاں ہوں، مگر کسی مذہب کی تلقین نہ ہو۔

نومبر ۱۹۸۹ء میں جب مسٹر وی پی سنگھ وزیر اعظم منتخب ہوئے تو حضرت مولاناؒ نے ایک تاریخی خط تحریر کیا جس میں آزاد دینی مکاتب و مدارس کے نظام سے متعلق بڑی جرأتمندی کے ساتھ یہ بات لکھی:

''مذہبی تعلیم اور اس کے مرکزوں اور اداروں میں جو ملک کے لیے مضر ہونے کے بجائے تعلیم و تہذیب پھیلانے اور دوسرے ملکوں میں اس ملک کا نام بلند کرنے کا ذریعہ ہیں، کسی نام یا کسی انتظامی قانون کی بنا پر مداخلت کرنا اس اقلیت کے دل و دماغ میں (جو بعض ملکوں کی پوری پوری آبادی سے زیادہ تعداد میں ہے) بے اطمینانی و بے چینی پیدا کرنے کا باعث ہوگا اور ملک کی تعمیر و ترقی اور اس کے حصول کے لیے مخلصانہ جدوجہد و تعاون پر اثر انداز ہوگا، اس لیے ہندوستان کی قابل فخر آئین کی اس دفعہ پر دیانت داری اور مضبوطی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر اقلیت کو اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کو چلانے کی اجازت و حق ہوگا۔''

(کاروان زندگی: ۴/ ۱۵۵-۱۵۶)

دسمبر ۱۹۹۰ء میں جب چندر شیکھر جی وزرات عظمیٰ کے عہدہ پر فائز ہوئے تو حضرت مولاناؒ نے اپنے معمول کے مطابق انہیں بھی کئی نکات پر مشتمل ایک خط لکھا، جس میں نصاب و نظام تعلیم کی اصلاح کے متعلق بھی پوری قوت اور صراحت سے اپنی بات کہی:

''ہماری نئی نسل اور تعلیم یافتہ طبقہ کا ذہن ہندوستان کے سابق حکمرانوں، بلکہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کے بارے میں غلط تصورات بلکہ معاندانہ جذبہ رکھتا ہے اور وہ زہر ان کی پوری زندگی اور کردار میں سرایت کر گیا ہے، ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم کی فوراً اصلاح کی جائے، نصابی تاریخی کتابوں اور مضامین سے یہ مواد نکالا جائے، اس کے بغیر صاف ذہن کی نئی نسل تیار نہیں ہوسکتی، جس کی اس ملک کو ضرورت ہے۔'' (کاروان زندگی: ۴/ ۴۰۵-۴۰۶)

ایجابی اقدام یہ کیا کہ دینی تعلیمی کونسل کے پلیٹ فارم سے ایسے مکاتب کے قیام کی فکر و کوشش کی، جن کے ذریعہ مسلمان بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دی جاسکے، نیز مسلمانوں کے جو بچے عصری تعلیم گاہوں میں ہیں، ان کے ایمان و عقیدہ کی فکر کرتے ہوئے مسجد مسجد صباحی و مسائی مکاتب کے قیام کا جال بچھانے کی پورے ملک میں ندا لگائی اور خود مسلمانوں کو بچوں کی بنیادی تعلیم کا مکلّف کیا، تاکہ مسلم بچوں کے دل و دماغ میں اسلامی عقائد و مذہبی نقوش پختہ ہوجائیں۔

۱۹۹۳ء میں کل ہند دینی تعلیمی کنونشن کے موقع پر حضرت مولاناؒ نے اپنے صدارتی خطبہ میں اسی مشن اور فکر کو یوں بیان فرمایا:

''اس وقت کا اہم ترین کام آزاد دینی مکاتب و مدارس کے قیام اور مساجد اور گھروں میں ضروری دینی تعلیم اور مبادئ دین کی تلقین، اردو پڑھنے لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے مراکز اور مواقع پیدا کرنے کی جدوجہد ہے اور اس کام کو مقبول ترین عبادت، رضائے الٰہی کا ذریعہ اور اس ملک میں حفاظت دین کا واحد طریقہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔'' (تکبیر مسلسل: ۵۶۷)

جونپور میں دینی تعلیمی کونسل کے ایک اجلاس میں مسلمانوں کی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے حضرت مولاناؒ نے یوں خطاب کیا:

''آپ ہر اس مقام پر جہاں مسلمانوں کی کچھ تعداد آباد ہے، صباحی و شبینہ مکاتب و مدارس کا انتظام کریں۔'' (تکبیر مسلسل: ۲۵۲)

حضرت مولاناؒ احیائے مکاتب کے مشن کو کامیاب بنانے کے لیے دو چیزوں کے پرزور داعی تھے، ایک آہنی عزم، دوسرے عاقلانہ نظم، ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ''ان دو طاقتوں سے ہزاروں کی تعداد میں مکاتب و مدارس قائم ہوسکتے ہیں۔'' (نظام تعلیم: ۱۰۳)

محمد نفیس خان ندوی

میڈیا اور دینی مدارس

میڈیا محض حصول اطلاعات کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ کشمکش کا ایک وسیع میدان بھی ہے، سامراج کا عالمی تسلط، تہذیب مغرب کی تشکیل اور عالمی منڈیوں پر قبضے کا کھیل اسی میڈیا کی بساط پر کھیلا جاتا ہے، آج ہر خبر واشتہار، ہر ڈاکومنٹری اور ٹاک شو، ہر فلم اور ہر ڈرامہ سماج پر براہ راست اپنا اثر چھوڑ رہا ہے، کسی معصوم کو سنگین مجرم اور کسی درندہ صفت کو مسیحا ثابت کرنا میڈیا کے لیے بالکل آسان ہے، میڈیا کی اس طاقت کا اندازہ ہمیں اب ہوا ہے جبکہ ہمارے دشمنوں نے میڈیا کی اس اثر آفرینی اور اس کے مؤثر کردار کا ادراک بہت پہلے کرلیا تھا۔

یورپ وامریکہ نے ہمیشہ سے مسلمانوں کو اپنا سیاسی، دینی اور ثقافتی حریف سمجھا، اور انھیں اس بات کا اعتراف بھی ہے کہ صرف اسلام ہی انھیں براہ راست چیلنج کرتا ہے، کیونکہ مغرب کے مقابل یہی ایک مخصوص تہذیب ہے جس کے وابستگان اپنے تمدن کی برتری کے قائل ہیں، یہ ایک مختلف اور متصادم تہذیب ہے جس کے پیروکار اپنے مذہب اور اپنی تہذیب کی آفاقیت کے داعی ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کی بظاہر زوال پذیر لیکن بالاتر طاقت یہ تقاضا کرتی ہے کہ ''اسلامی تمدن'' کو دنیا میں پھیلایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نائن الیون کے ڈرامہ کے بعد صدر بش نے اپنے خطاب میں کھل کر کہا کہ ہمارا اصل مقابلہ سیاسی اسلام اور اسلامی بنیاد پرستی سے ہے۔

اس کے واقعہ کے بعد مغربی طاقتوں نے دنیا کو ''اسلامی دہشت گردی'' کے عنوان سے ایک نیا موضوع دیا جس پر عالمی میڈیا نے بحثوں کا آغاز کیا، سیاسی بیانات جاری ہوئے، سچی جھوٹی خبریں شائع کی گئیں، ڈاکومنٹریز تیار ہوئیں، فلمیں بنائی گئیں، اور جب ان پروپیگنڈوں کی کچھ مخالفت ہوئی تو میڈیا نے اپنا زور کچھ کم کردیا لیکن اس وقت تک عمومی ذہن سازی ہوچکی تھی اور مشرق ومغرب کے دانشور کبھی کھلے لفظوں اور کبھی بند جملوں میں یہ بات کہنے لگے:

"Every Muslim is not a Terrorist But Every Terrorist is a Muslim"

(ہر مسلمان دہشت گرد نہیں ہوتا لیکن ہر دہشت گرد مسلمان ہوتا ہے)

مغربی میڈیا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملکی میڈیا نے بھی یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ قرآن مجید میں ہندوؤں کو کافر کہہ کے ان سے نہ صرف نفرت کا اظہار کیا گیا ہے بلکہ ان کے قتل عام کی اجازت بھی دی گئی ہے، اس لیے اصل مسئلہ خود قرآنی تعلیمات کا پیدا کردہ ہے، جس کے نتیجہ میں تشدد اور انتہا پسندی کا مزاج پروان چڑھتا ہے، اس لیے ضرورت قرآنی مراکز یعنی مدارس کے نظام کو تبدیل کرنے کی ہے، تاکہ کسی طالب علم میں جہاد اور قتال کا تصور بھی پیدا نہ ہو، چنانچہ مدارس کے نصاب تعلیم سے اُن قرآنی آیات اور احادیث کو نصاب سے خارج کرنے کی مانگ کی جو جہاد، حجاب، یہودیوں کی مسلم دشمنی اور کفار سے محبت ودوستی کی مخالفت وغیرہ سے متعلق ہیں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ فروری 2002ء میں جب موجودہ حکومت ہی برسر اقتدار تھی تو وزیر اعظم مسٹر واجپئی نے مدرسوں کے سروے کے لیے چار کابینی وزراء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی تھی جس کے نگراں جناب ایل کے ایڈوانی تھے، چونکہ یہ سروے حقیقت سے پرے محض اندازوں اور قیاسوں کی بنیاد پر تھا اس لیے اس کمیٹی نے چونکا دینے والی رپورٹ پیش کی، جس میں مدارس اسلامیہ کو ملک کی سالمیت کے لیے خطرہ اور ظلمات پرستی اور دہشت گردی کی تربیت گاہ بتایا گیا تھا، اور پھر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا نے بار بار ان الزامات کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارے بھی نشانہ پر آگئے تھے۔ لیکن ملکی سطح پر اس کا ردعمل ظاہر ہوا تو حکومت کے تیور کچھ کم ہوئے، پھر حکومت نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' اور ''گرانٹ ان ایڈ'' کی تجاویز پیش کیں تاکہ مدارس اور ان کے تعلیمی اہداف کو سرکاری گرفت میں لینا اور ان کا عوامی رابطہ ختم کرنا آسان ہوسکے جس کا لازمی نتیجہ اس صورتحال کا پیدا ہونا ہے جس کا تجربہ ہم اندلس کی سرزمین پہ کرچکے ہیں، افسوس

کہ صوبہ یوپی و بہار میں بہت سے مدارس ''گرانٹ ان ایڈ'' کی طلائی زنجیروں میں جکڑ کر اپنی افادیت کھو چکے۔

تقریباً بیس سال بعد 2022 میں یوپی حکومت نے ایک بار پھر مدارس کے سروے کا سلسلہ شروع کیا، سب سے پہلے اِنہیں ''گرانٹ ان ایڈ'' مدارس کو نشانہ بنایا گیا، سختی سے جانچ کی گئی، کاغذات کھنگالے گئے، زمینوں کی ملکیت چیک کی گئی، عمارتوں کی جزئیات وتفصیلات طلب کی گئیں، ہر بھولا بسرا قانونی ضابطہ نافذ کیا گیا، ایسی سخت گرفت سے قانونی مبادیات سے بھی ناواقف مدارس کا بچ پانا قطعاً ممکن نہ تھا، چنانچہ ایک بڑی تعداد کا نااہل قرار دے گئی، ان کی منظوریاں منسوخ کر دی گئیں، اور متعدد عمارتیں غیر قانونی قرار دے کر زمین بوس کر دی گئیں۔

اس کے بعد ان مدارس کا سروے شروع ہوا جو حکومت کے کسی بھی تعاون کے بغیر قائم ہیں، جو حقیقت میں اسلام کے قلعے اور امت مسلمہ کا پاور ہاؤس ہیں، اور یہی مراکز باطل طاقتوں کے نشانے پر ہیں، کیونکہ یہیں سے امن آشتی کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور ہر اس نظام کو چیلنج کرتی ہیں جو انسانوں کو مختلف خانوں میں بانٹتا ہے، سروے ٹیم نے پوری 'دلچسپی' دکھائی، میڈیا بھی الرٹ رہا لیکن خدا کا فیصلہ یہ مدارس ہر طرح کی بے قانونی و بدعنوانی سے پاک قرار دیے گئے، بلکہ بہت سی غلط فہمیوں اور منفی پروپیگنڈوں کے ازالہ کا سبب بھی بنے اور دنیا کو ایک بار پھر تسلیم کرنا پڑا کہ یہ وہ قلعے ہیں جن کی بنیادیں مضبوط اور دیواریں آہنی ہیں، اور اس کا نظام تعلیم وتربیت ان عصری اداروں سے بدرجہا بہتر ہے جنھیں حکومت کی بھی سرپرستی حاصل ہے۔

سچ پوچھئے تو یہ مدارس اسلامیہ ہی باطل طاقتوں کی راہ میں سنگ گراں کی طرح حائل ہیں، مسلمانوں میں دینی شعور بیدار رکھنے والی یہ شمعیں ان سیاہ ارادوں کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ انہیں مدارس نے ہر دور میں ایسے نامور قائدین پیدا کیے ہیں جنھوں نے دنیا کی تاریخ کا دھارا بدل دیا ہے، اور دین کی حفاظت کا کام ایسے نازک حالات میں انجام دیا ہے جب حکومتیں اس کے چراغ کو اپنی مذموم سیاستوں سے بجھانے میں مصروف تھیں، اور اگر کہیں اسلامی اقدار کو ٹھیس پہنچائی جا سکی ہے تو وہ بھی ان مدارس کی غفلت کی وجہ سے ہی ممکن ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی طاقتوں نے جہاں عام مسلمانوں کے خلاف خوف و ہراس کی فضا بنائی وہیں مدارس اور اہل مدارس کے خلاف کھل کر پروپیگنڈہ کیا اور اپنے منصوبوں میں اس بات کی صراحت کی کہ اسلام پسند عناصر پر قدغن لگا کر ہی عوام پر اثر انداز ہوا جا سکتا ہے اور اس سلسلہ میں میڈیا ایک مؤثر اور کارگر ہتھیار کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

ادھر کچھ عرصوں سے مدارس اسلامیہ نے بھی اس طرف توجہ کی ہے، اور متعدد اسلامی اداروں سے مجلّات ورسائل اور خبرنامے شائع ہونے لگے ہیں جو فکر اسلامی اور مسلمانوں کے مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں، اور بعض رسائل میں اسلام مخالف افکار ورجحانات کا علمی تجزیہ بھی کیا جاتا ہے، لیکن مجھے معاف رکھا جائے کہ ابھی ہمارے عالمی ادارے بھی اس سلسلہ میں ابتدائی مراحل سے گذر رہے ہیں، اور کئی دہے گذرنے کے باوجود رسائل وجرائد کے میدان میں کوئی قابل تقلید معیار قائم نہ کر سکے، جبکہ بعض اداروں میں میڈیا وصحافت کے مستقل شعبے بھی قائم ہیں لیکن ان شعبوں سے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آرہے جس کی بنیادی وجہ میڈیا کے جدید وسائل سے دوری اور ہمارا وہ نظام تعلیم ہے جس میں پریکٹیکل (Practical) کے بجائے نظریاتی بحثوں پر زور ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ مدارس کا میڈیا سے رشتہ مضبوط ہو، اور خاص کر مرکزی مدارس میں میڈیا کے تجزیہ کا شعبہ یعنی Media Monitorting System بھی قائم ہو، جس میں الکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کا جائزہ لیا جائے، اور اس کے منفی نظریات کا محاسبہ کیا جائے، اس کے علاوہ پریس اور میڈیا کے سامنے مدارس کے حقائق پیش کیے جائیں، ارباب مدارس کے انٹرویوز جاری کیے جائیں، پریس کانفرنسیں کی جائیں، اخبارات میں مضامین اور بیانات شائع کیے جائیں۔ اس طرح بہت ممکن ہے کہ مدارس کے سلسلہ میں بدگمانیوں کا خاتمہ ہو اور مدارس کی معنویت و افادیت آشکار ہو۔

دینی مدارس کی اہمیت — مشاہیر امت کی نظر میں

انتخاب وپیش کش:-محمد نجم الدین منی پوری ندوی

''اس وقت علوم دینیہ کے مدارس کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کے بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں۔'' (العلم والعلماء:۸۱)

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

''ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمراء اور باب الاخوتین کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔'' (خوں بہا:۱/۴۵۵-۴۵۶)

(شاعر مشرق علامہ اقبالؒ)

''مسلمانوں کی با مقصد تعلیم کے لیے یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ ان کی قومی درس گاہیں بالکل الگ ہوں، جہاں ان کو خاص ان کے مذہبی وقومی مقاصد کی بنا پر تعلیم دی جائے۔'' (مسلمانوں کی آئندہ تعلیم:۲۷)

(سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ)

''مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدیؐ سے ہے جو عالم گیر بھی ہے اور زندۂ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم وجدید کی بحثوں سے بالاتر ہے، وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔'' (پاجا سراغ زندگی:۹۰)

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

''اس ملک میں دین کی بقا کا آخری ذریعہ دینی مدارس ہی ہیں، اللہ کے بندو! دینی مدارس کے مقام کو سمجھو، اگر ان دینی مدرسوں پر زوال آگیا تو یاد رکھو! پھر تمہارا ملک بھی اسپین بن جائے گا اور تمہارے بچوں کے کلمہ طیبہ اور دین پر باقی رہنے کی کوئی گارنٹی نہیں رہ جائے گی۔'' (تذکرۃ الصدیق:۳۷-۳۸)

(عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 14 ✦ October 2022 ✦ Issue: 10

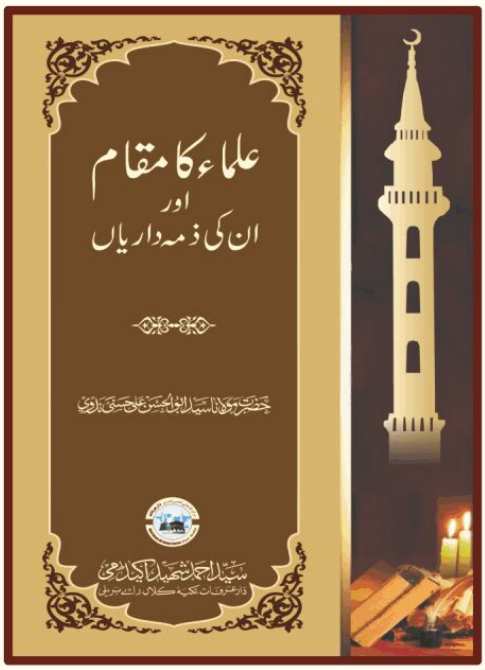

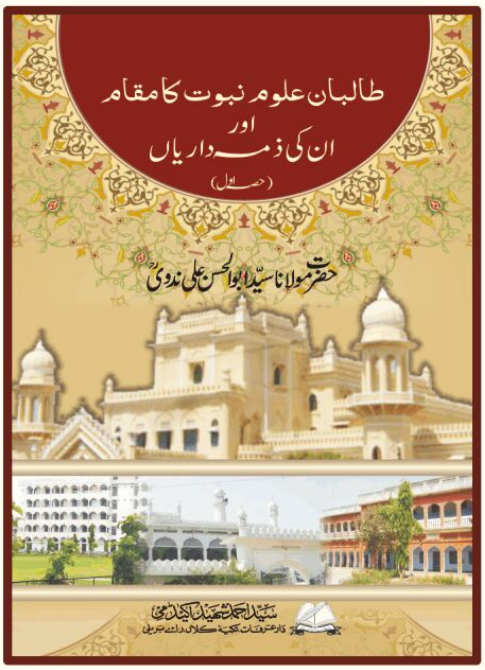

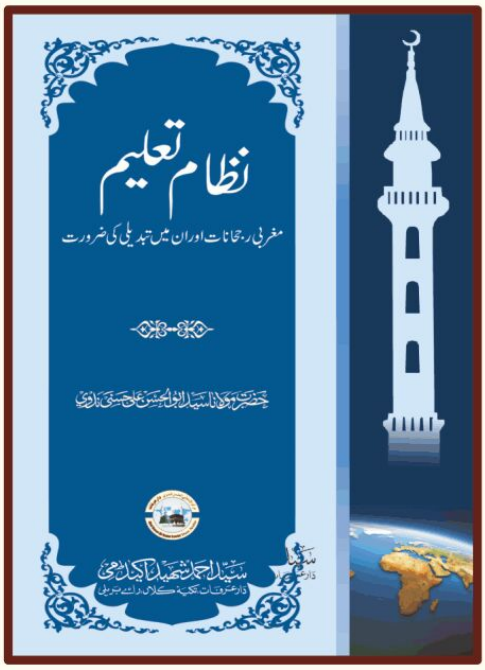

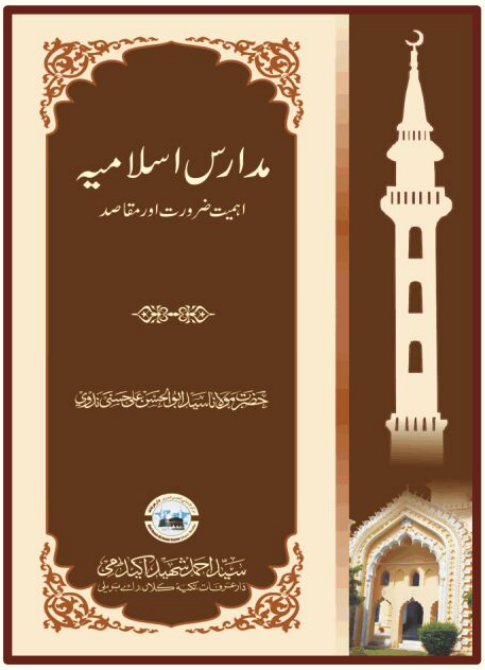

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: **9792646858**
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)